علامہ اقبال کی نظم نگاری

شاعری کو پیغمبری اور صحتمند قدروں کا ترجمان بنانے والے شاعر کا نام اقبال ہے۔ اقبال کی شاعری کا آغاز روایتی انداز میں ہوا۔ داغ کی شاگردی کی وجہ سے مصنوعی حسن وعشق کی گلیوں کی خاک بھی چھانی مگر بہت جلد اس طائرِ آزاد کا دم اس تنگ فضا میں گھٹنے لگا لہذا روایتی شاعری کو خیر باد کہہ کر نیچر اور وطن کو اپنا موضوعِ سخن بنایا اور بہت جلد فن کی بلندیوں تک پہنچ گئے۔ ''ترانہ ہندی''، ''نیا شوالہ'' اور ''کوہ ہمالہ'' جیسی بہترین نظمیں لکھیں۔ ان نظموں میں محبت وطن کے جذبے کا اظہار اتنے سلیقے اور جوشِ عقیدت کے ساتھ کیا گیا ہے کہ یہ نظمیں اس موضوع سے متعلق اردو شاعری کا قیمتی سرمایہ بن گئیں لیکن یہ سلسلہ بھی بہت دنوں تک جاری نہ رہ سکا اور محدود حب الوطنی کا یہ بت اقبال کے بلند تر آفاقی جذبوں کے ہاتھوں پاش پاش ہوگیا۔

اقبال کا سفر یورپ اقبال کی شاعرانہ صلاحیتوں کو نئی سمت دینے اور ان کے ذہنی افق کو وسعت بخشنے میں بہت مفید ثابت ہوا۔ وہاں سے واپسی کے بعد اُن کے زاویۂ نگاہ اور سوچنے کے انداز میں نمایاں تبدیلی ہوئی۔ یورپ کے دوران قیام مغربی تہذیب وتمدن اور عملی سیاست کے گہرے مطالعہ نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ یورپ کی ترقی واقبال مندی اور ایشیا کی زبوں حالی کا راز اُن پر آشکارا ہوگیا۔ یورپ کی خاک کے ذرہ ذرہ میں انھیں ایک دھڑکتا ہوا دل نظر آیا جو حرارت اور سرگرمیٔ عمل سے لبریز تھا۔ دوسری طرف ایشیاء میں انھیں ہر چیز محوِ خواب اور ساکت وساکن نظر آئی جہاں دل کی دھڑکن کیا سانس کی آواز تک محسوس نہیں ہوتی۔ اقبال کا دل تڑپ اُٹھا اور ان کے دل میں اپنی قوم کے لئے ہمدردی کا جذبہ اُمڈ آیا۔ اسی جذبہ ہمدردی نے ان کی شاعری کو ایک نیا رنگ وآہنگ، سوز وساز اور ایسی تڑپ عطا کی جو ہمیں کسی اور شاعر کے یہاں نظر نہیں آتی۔

اقبال کے نزدیک قوم کے زوال اور تمام خرابیوں کی جڑ بے عملی اور اپنی حقیقت سے

بے خبری ہے۔ چنانچہ انھوں نے ان تمام تصورات پر کاری ضرب لگائی جن کی وجہ سے مسلمانوں میں احساس کمتری اور بے عملی کا زہر سرایت کر گیا تھا۔ خاص طور سے انھوں نے تصوف کے اس غلط تصور کو ہدف تنقید بنایا جس نے مسلمانوں کی عملی صلاحیتوں کو سلب کر لیا تھا اور انھیں زندگی کے اس دھارے سے کاٹ دیا تھا جو قوموں کی تقدیریں بدل دیا کرتا ہے۔ اس تصوف کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ذہنی غلامی اور فراریت کے رجحان کو ختم کرنے کے لئے علامہ اقبال نے اپنا فلسفہ خودی پیش کیا جسے علامہ کی شاعری میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اقبال کا یہ فلسفہ درحقیقت آدم کی شناخت کا دوسرا نام ہے۔ اس کا محور فرد کا احساس خودشناسی ہے۔ اس کے ذریعہ انسان مادی اور روحانی ترقی کی انتہا تک پہنچ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کی شاعری میں جابجا خودی اور اس کی تعمیر میں معاون فقر و استغناء، بلند نگاہی، قناعت اور عشق وغیرہ جیسے اوصاف کا تذکرہ ملتا ہے۔ 'خودی' سے متعلق اقبال کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

جس بندۂ حق میں کہ خودی ہو گئی بیدار　　شمشیر کے مانند ہے برندہ و براق

تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے　　جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو روسیاہی

علامہ اقبال کی شاعری میں عقل و عشق کا تذکرہ بھی کثرت سے ملتا ہے۔ علامہ نے عقل کے مقابلے میں عشق کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس کے بغیر انسان کی روح کو جلا نہیں مل سکتا۔ یہی جذبۂ انسانیت کی درماندہ روح کو سکون بخشتا ہے۔ اسی جذبہ سے انسان کو ایسی قوت ملتی ہے جس سے وہ سود وزیاں کا خیال کئے بغیر بڑی سے بڑی قربانی دے سکتا ہے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق　　عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

علامہ اقبال کے شعروں کے مخاطب ایسے انسان تھے جو حرارت یقین محکم اور عمل پیہم سے خالی اور جمود و تعطل کا شکار تھے لہذا علامہ اقبال نے اپنے اشعار کے ذریعہ مردہ دلوں میں زندگی کی روح پھونکنے کی کوشش کی ہے۔ اور زندگی کا صحیح تصور پیش کیا ہے۔ زندگی سے بھرپور یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی　　ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم　　جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ — جاوداں پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ — جوئے شیر و تیشہ و کوہِ گراں ہے زندگی

علامہ اقبال کے زندگی سے بھرپور خیالات وتصورات کا اندازہ ''بانگ درا''، ''بال جبریل'' اور ضرب کلیم میں شامل 'ذوق وشوق'، 'خضر راہ'، شکوہ وجواب شکوہ'، 'ساقی نامہ'، 'مسجد قرطبہ'، 'ابلیس کی مجلس شوریٰ'، اور 'لینن خدا کے حضور میں' جیسی شاہکار نظموں سے لگایا جاسکتا ہے۔ جو اردو شاعری کا قیمتی ورثہ ہیں۔

علامہ کی شاعری فنی نقطۂ نظر سے بھی بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو فن کی بنیادی صفات ہیں۔ اقبال نے اپنی شاعری میں اثرانگیزی و اثرآفرینی پیدا کرنے کے لئے تمام فنی حربوں کو کامیابی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ 'خضر راہ'، 'ساقی نامہ' اور مکالمہ جبریل وابلیس وغیرہ کا ڈرامائی اور مکالماتی انداز اردو شاعری میں شاید ہی کہیں نظر آئے۔

علامہ کی نظموں میں بلا کی موسیقیت اور غنائیت ملتی ہے۔ یہ موسیقی صرف لفظوں کی ترتیب اور مترنم بحروں کے استعمال ہی سے پیدا نہیں ہوئی ہے بلکہ اس میں بڑا ہاتھ فکر وخیال کے حسین امتزاج کا ہے۔ مجنوں گورکھپوری اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اقبال کے اشعار میں جو موسیقیت ہوتی ہے وہ ایک مرکب آہنگ ہے جس کا افکار و الفاظ دونوں سے بیک وقت اصلی اور اندرونی تعلق ہوتا ہے۔''

اقبال کی شاعری میں ہمیں منظر نگاری کی بھی بہترین مثالیں ملتی ہیں وہ کبھی کبھی اپنے موضوعات کے پس منظر کے طور پر منظر نگاری سے کام لیتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنی قوت مشاہدہ اور جمالیاتی احساس کی مدد سے اپنی شاعری میں ایسی ایسی تصویریں پیش کی ہیں جو آج بھی اردو کی منظریہ شاعری میں شاہکار سمجھی جاتی ہیں۔

اس طرح اقبال کی نظمیں اردو شاعری میں اپنی فکری وفنی خصوصیات کی وجہ سے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں درد و گداز سے لبریز شخصیت کا ایسا فنکارانہ اظہار ہے جس نے اردو شاعری میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ اور اردو شاعری کو تنگنائے غزل سے نکال کر اس میں اظہار و ابلاغ کے نئے نئے امکانات پیدا کئے اور اس میں اتنی معنویت وسعت اور ہمہ گیری پیدا کی کہ آج کسی بھی خیال کے اظہار کے لئے اردو شاعری کو 'تنگ دامانی' کی شکایت کی گنجائش باقی نہیں رہی۔